دامِ خیال
کاچو اسفندیار خان

دامِ خیال

کاچو اسفندیار خان

عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

غالبؔ

انتساب

اُن کے نام
جن کے رِستے ہُوے زخموں کا ہر اِک قطرہ لہُو
شفقِ شام و سحر بن کے بکھر جاتا ہے۔

اُن کے نام
جن کے ہونٹوں پہ تبسم کے وہ ہلکے سے نقوش
قسمتیں خاک کے پُتلوں کی بدل دیتے ہیں۔

اور اُن کے نام
چیتھڑے تن پہ میّسر نہیں جن کو پھر بھی
زینتِ کوچہ و بازار بنے بیٹھے ہیں۔

☆

اپنی بات

اپنا پہلا شعری مجموعہ ''دامِ خیال'' لیکر حاظر ہوا ہوں۔ اپنے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ ضلع کرگل کے ایک دور اُفتادہ گاؤں سے اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کیا تھا۔ بچپن سے اردو زبان کو پڑھنے اور سیکھنے کا شوق تھا اور اپنے والد محترم ،لداخ کے نامور سکالر اور مورخ مرحوم کاچو سکندر خان سکندر کی صحبت میں اس شوق کو اور بھی پروان چڑھنے کا ایک زریں موقعہ حاصل ہوا۔

بچپن میں زندگی ایک معمہ سا لگتا تھا۔ لیکن جوں جوں زندگی کا سفر جاری رہا تو معلوم ہوا کہ زندگی ایک معمہ نہیں بلکہ کچھ مربوط اور پیچیدہ مسائل کا ایک معجون ہے جو ہر کسی کو چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی پینا پڑتا ہے۔ زندگی کے گوناگوں مسائل سے جوجتے ہوئے جو تجربات حاصل ہوئے اُن کو شعر و شاعری کے روپ میں اظہار کرتا رہا۔ میں کسی مخصوص ادبی اسکول یا تھاٹ سے خود کو منسلک نہیں سمجھتا ہوں۔ بلکہ مختلف تجربوں کو موزوں انداز میں بیان کر کے اپنی فکر کو حتی المقدور فن کے پیمانے میں ڈھالنے کی کوشش ناتمام کرتا رہا ہوں۔ شعر کے جمالیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے صوتی آہنگ کا بھی خیال رکھتا ہوں تا کہ پڑھنے والے کے پردۂ سماعت پر بھی ایک مثبت اثر

مرتب ہو سکے۔

لداخ فلک بوس پہاڑوں کا مسکن ہے اسلئے فطرت کی بے پناہ وسعتیں مجھے انتہائی متاثر کرتی رہیں۔ دریائے سندھ کی گستاخ موجیں مجھے مشکل سے مشکل حالات میں بھی رواں دواں رہنے کا درس دیتی رہیں۔ یہاں کی بے پناہ وسعت اور فلک بوس پہاڑوں نے ایک ذہنی استقامت، ساتھ ساتھ نامساعد حالات میں بھی جینے کا حوصلہ دیا۔ یہاں کی بے شمار وادیوں نے مجھے اِن میں چلتے وقت یہاں کے لوک گیتوں اور لوک کتھاؤں کو پوری آواز کے ساتھ گانے اور گنگنانے کی پوری آزادی دی۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں شاعری کی لے اور صوتی آہنگ کو بھی اس کا ایک خوبصورت پہلو مانتا ہوں۔

کاروبار زندگی میں جوں جوں آگے بڑھتا گیا توں توں اپنی ادبی ذوق و شوق کے ساتھ ایک قسم کی بے توجہی کا عنصر غالب آتا گیا۔ اور ایک زمانہ ایسا بھی آگیا کہ صرف لوگوں کے مسائل حل کرنے کی کوشش پیہم میں اور سرکاری فائیلوں میں گُم ہو کر رہ گیا۔ فرائض منصبی کیساتھ اس قدر والہانہ لگاؤ کا نتیجہ نہ صرف اپنی دیگر صلاحیتوں کا گلہ گھونٹنے کا موجب بنا بلکہ اس کی وجہ سے اپنی صحت بھی پوری طرح خراب ہو کر ۲۰۰۸ میں اچانک بستر مرض پر دراز ہونا پڑا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اور اپنوں، دوستوں اور خیر خواہوں کی دُعاؤں سے صحت پھر سنبھل گئی۔ یہی وجہ تھی کہ شعر و شاعری

کا ایک مختصر سا ذخیرہ ہی جمع کر سکا۔ اگر ملازمت کے دوران ' چکی کی مشقت کے ساتھ ساتھ مشقِ سخن ' بھی جاری رکھی ہوتی تو شاید آج کئی مجموعہ کلام سامنے آئے ہوتے جو فنی، تکنیکی اور ادبی لحاظ سے اور بھی بہتر ہوتے۔

بہر حال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب موت سے قریب تر ہوا تو صرف دو باتوں کا شدید احساس ہونے لگا۔ ایک طرف بچوں کے بارے میں فکر لاحق ہوئی اور دوسری طرف اپنی اُن تخلیقات کے بارے میں احساس ہوا جو ابھی تک اوراق پریشاں کی صورت میں بکھری پڑی تھیں۔ اس عالم کس مپرسی میں دل کی عمیق گہرائیوں سے صرف یہی دُعا نکلتی تھی کہ اللہ صحت عطا کرے اور مجھے اپنی اِن تخلیقات کو اپنے دوستوں تک پہنچانے کی توفیق دے۔ یہی وجہ تھی کہ بیماری سے شفایاب ہوتے ہی میں نے اپنی اُن پراگندہ تحریروں کو جمع کر کے کتابی شکل دینے کی کوشش شروع کی۔

اس ضمن میں، میں اپنے ایک دوست ڈاکٹر اشرف آثاری صاحب کا بے حد مشکور ہوں کہ اُنہوں نے ہی مجھے اپنے کلام کو جمع کر کے کتابی شکل دینے کی ترغیب دی۔ میں ڈاکٹر آثاری صاحب کو بہت پہلے سے نہیں جانتا تھا۔ لیکن اتفاقاً اُن سے اور اُردو اکادمی کے صدر نامور افسانہ نگار جناب نور شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد ہم وقتاً فوقتاً ملتے رہے اور ضمناً دوران گفتگو علم و ادب کے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ ایک دن اُنہوں نے مجھے اپنے بکھرے کلام کو یکجا کر کے اُسے چھاپنے کی صلاح

دی۔ اور خود انہوں نے اس کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے اس کا پیش لفظ لکھا۔ اس کے لئے میں ڈاکٹر آثاری صاحب کا بے حد ممنون و مشکور ہوں۔

بعد میں جب میں نے اس کتاب کو چھاپنے کے بارے میں اپنے دیرینہ دوست شعبۂ اُردو کے صدر ڈاکٹر مجید مضمر صاحب سے ذکر کیا تو اُنہوں نے از راہ کرم اس پر اپنے خیالات کا اظہار کر کے نہ صرف بیتی یادوں کو تازہ کیا بلکہ اس کتاب کی قدر و قیمت بھی بڑھائی۔ میں اُن کا بھی نہایت ہی مشکور و ممنون ہوں۔

اسفندیار خان
سری نگر
جنوری ۲۰۱۱ء

پیش لفظ

''دامِ خیال'' کا چوا سفندیار خان کا پہلا اُردو شعری مجموعہ ہے۔ شاعری کا شغف خان صاحب بہت دنوں سے رکھتے ہیں۔ اردو گو کہ اُن کی مادری زبان نہیں لیکن انہوں نے کشمیر یونیورسٹی سے اردو زبان میں پوسٹ گریجویشن کی ہے اور پوریگی اور بلتی وغیرہ زبانوں میں شاعری کی ہے اور ان زبانوں میں ایک اچھے اور منجھے ہوئے شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں کہ مذکورہ زبانوں میں ان کا کلام مشہور و معروف گلوکاروں نے ریکارڈ کرایا ہے اور ریڈیو اور ٹی وی سے نشر ہو کر کافی دادِ تحسین اور پزیرائی حاصل کر چکا ہے اور مذکورہ زبانوں میں لوگ ان کو فریدونؔ کے تخلص سے جانتے اور یاد کرتے ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر میں ایڈمنسٹریشن کے اعلیٰ اور ذمہ دار عہدوں پر فائز رہنے کی وجہ سے خان صاحب نے انتہائی مصروف زندگی گزاری ہے انتظامیہ کے اہم عہدوں پر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں اور ریاست کے دور دراز خطوں تک ان کی رسائی ہوتی رہتی ہے اور مختلف لوگوں کے ساتھ

ان کے تعلقات بھی رہتے ہیں تقریباً ہر وقت دفتری مصروفیت اور سفر میں رہنے کے باوجود بھی عدیم الفرصت رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی کسی نہ کسی طرح شاعری جیسی مشکل ترین صنفِ ادب کے ساتھ منسلک رہنا واقعی قابلِ صد تحسین وستائش ہے۔

ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے کہ خان صاحب کے ساتھ اردو اکادمی کے صدر محترم نور شاہ اور دیگر اراکین کے ہمراہ ہماری ملاقات ہوگئی پھر ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا اور سننے سنانے کا موقعہ بھی نصیب ہوا۔

کاچو اسفندیار کی شاعری سن کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی کہ اردو شاعری خاص طور پر اردو نظم کی صحت مند روایات، زبان و بیان کی نزاکتوں فکر و فہم کے حسن و خوبصورتی کے تقاضوں کی پاسداری کرنے اور احساس و خیال رکھنے والا یہ اردو شاعر اب تک کہاں چھپا بیٹھا تھا۔ میں نے ٹھان لی کہ اردو شاعری کی اس نئی آواز کو، اس نئے اور سنجیدہ لب و لہجے والے سخنور کو اس کی تمام تر شعری کیفیات کے ساتھ ہم عصر اردو شاعروں سے روشناس اور متعارف کرتا چلوں، حالانکہ اردو میں ان کے نثری مضامین اس سے قبل ایک مقامی روزنامے میں بھی چھپ چکے ہیں۔

امید ہے اردو نظم کی اس نئی آواز کو اردو داں طبقہ گرمجوشی کے ساتھ خوش

آمد ید کہیگا کہ ان کے شاعرانہ تجربات کا محور عشق و محبت، حسن و خوبصورتی خلوص و پیار اور فطرت بھی ہے اور موجودہ مسائل، انسانی معاشرہ اور تمدن بھی ہے۔

کاچو اسفندیار خان کا اُردو کلام پڑھ کر ان کے نرم و نازک، لطیف و گداز، اچھوتے اور مانوس لب و لہجے کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے، جذبات و احساسات کی سادگی و پُر کاری اور نفاست و حقیقت پسندی کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے ان کا جمالیاتی شعور، مخصوص اور منفرد لب و لہجہ، کیفیات شعری کی گہرائی و گیرائی، خیالات کی معصومیت و پاکیزگی اور مفہوم و معنیٰ کی تہہ در تہہ رنگا رنگی اور ترو تازگی کافی متاثر کرتی ہے۔

ان کے مزاج کی سنجیدگی و رمزیت اور وجدان دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موصوف اردو نظم کے لوازمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اردو شاعری کے رمز شناس شاعر ہیں، کہ ان کی شاعری میں دعوتِ غور و فکر بھی ہے، درد و کسک کی میٹھی میٹھی آنچ بھی ہے اور آہنگ و غنائیت کا رس، مٹھاس اور نکھار بھی ہے خواب و خیال کا بانکپن بھی ہے اور تجربات کی آفاقیت بھی ہے۔

عصر حاضر میں ریاست جموں و کشمیر میں اردو زبان و ادب کے نامور و قدآور ادیب و شاعر موجود ہیں جو مجموعی طور پر اپنے ادبی کارناموں سے ادبی دنیا میں ایک مخصوص مقام حاصل کر چکے ہیں کہ ان کا ایک مقام متعین ہوا

ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ادب شناس حضرات کا چو اسفندیار خان کا یہ مختصر مجموعہ پڑھ کر، ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو جانچ کر میری طرح ہی یہ محسوس کرینگے کہ اگر واقعی خان صاحب بلاناغہ اردو شاعری کی طرف بھی مناسب توجہ دینا جاری رکھیں گے تو وہ دن دور نہیں جب انہیں بھی اردو شاعری اور شاعروں میں پہچانا جائے گا اور انہیں مناسب مقام بھی مل جائے گا۔ کہ ان کے ہاں جدید عصری حسیّت بھی ہے اور ان کی شاعری مکمل طور پر کیفیاتِ قلب کا اظہار ہے جو جذبے اور احساس کی شاعری ہے کہ دل و دماغ دونوں کو متاثر کرتی ہے۔

ان کے یہاں مضمون آفرینی اور وسعت معنوی بھی ہے اور نئے اور روایتی استعاروں کا استعمال بھی ہے کیفیات قلب کو شعری پیکر عطا کرنا انہیں خوب آتا ہے، ایسا مطالعے اور مشاہدے کی وسعت وہ عمیق مطالعے سے ممکن ہوتا ہے۔ روایتی لفظیات کے استعمال کے باوجود بھی استعاراتی جہتیں، جگر سوزی اور وسعت فکر، دعوت فکر دیتی ہے زندگی کے حقائق کو پہلے دیکھنا پھر سمجھنا محسوس کرنا اور پھر شاعری کا موضوع بنا کر ان کا موثر اظہار کرنا مشکل ترین فن ہے جو لوگ اپنے احساسات کو اشعار کی صورت میں پیش کرتے ہیں وہی قادر الکلام شاعر کہلائے جاتے ہیں۔ خان صاحب کے ہاں جذبات و احساسات کی صداقت، فطرت کی رنگ آمیزی سماجی مسائل

کا شعور، بکھرتے اور ٹوٹتے رشتوں کا احساس، دوسروں کے دکھ درد کی چبھن اور زندگی کی جملہ حقیقتوں کا فہم وادراک ہے اور بدرجہ اتم موجود ہے۔ جس نے انہیں شاعر ایک کامیاب شاعر بنایا ہے۔ یہی سب کچھ تو ایک شاعر کی متاع اور اُس کا سرمایہ ہوتا ہے۔

اگر کا چو اسفند یار خان کی زبان سے اسطرح کے شعر کہ

اے حاصل حیات ترا لاکھ شکریہ!

اب موت ہی سے ہم کو نوازے تو خوب ہے

بھی نکلتے ہیں تو اسے ان کی زندگی سے بیزاری یا پھر قنوطیت سے تعبیر نہیں کیا جانا چاہیئے یہ محض موت کی اٹل حقیقت کو سمجھنے کا اظہار ہوسکتا ہے۔

شعری مجموعے میں ''ماں'' کے عنوان سے شامل نظم خان صاحب کی ایک بہترین نظم کہی جاسکتی ہے، جو یوں ہے۔۔۔

ماں

ماں! تم ہی نے تو کہا تھا نا

شہر کی گندی گلیوں میں

سحر سے شام تک دامن پسارے

فقط چند زرد سکے ڈھونڈ کر لاؤں

کوئی دیتا نہیں ہے ماں

پھر آج کیوں تو مجھ پہ خشمگیں ہے ماں

ماں۔۔۔مجھے بھوک لگ رہی ہے

احقر
اشرف آثاری
صدرہ بل حضرت بل سری نگر 190006 (کشمیر)
E-mail:drashraf@dataone.in
Cell.: 09419017246

اسفند یار خان......پہلی بار یہ نام الف لیلیٰ کی کسی گمشدہ کہانی کے کردار کا لگا تھا...... گو ہر مقصود کی خاطر لق و دق صحراؤں کو عبور کرنے والے کسی پُر اسرار کردار کا۔ (یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ ملکِ ایران میں اس نام کا کوئی بادشاہ گزرا ہے)۔ کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں طالب علمی کے دوران میری چند ہی ساتھیوں سے قربت تھی۔ اُن میں ایک اسفند یار خان بھی تھے...... کم آمیز، کم گو، چہرے پر ہر وقت تفکر کے آثار، آنکھوں میں طویل کوہستانی راستوں کے نشیب و فراز اُترے ہوئے۔ یونیورسٹی کے تنہا ہوسٹل میں ان کا کمرہ اس معنی میں منفرد تھا کہ یہاں نصاب سے متعلق کتابوں کی جگہ انگریزی کی موٹی موٹی کتابیں ہوا کرتی تھیں جن میں لداخ خطے سے متعلق باتصویر کتابیں بھی شامل تھیں۔ میز پر چنار کے سوکھے سنہرے پتے پر پنسل سے بنائی ہوئی اسفند یار کی تصویر بڑی جاذب نظر تھی جو انہوں نے خود بنائی تھی۔ اسفند یار خان نے اسی کمرے میں مجھے اپنی دو مختصر نظمیں سنائیں۔ میں بھی اُن دنوں تُک بندی کرتا تھا، مصوری سے میرا بھی شغف تھا لیکن انگریزی کی اتنی بڑی بڑی کتابیں پڑھنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں تھا۔ مجھے حیرت

ہوئی کہ لداخ کے ایک دور افتادہ گاؤں کا یہ کم گو لڑکا اندر سے کتنا بھرپور تخلیقی فن کار نکلا۔ شعبہ اردو میں ہم چار طالب علم تھے جنہوں نے ایم اے سال دوم کے ایک پرچے کے بطور مقالہ لکھنے کا انتخاب کیا تھا۔ میں نے فراق کی شاعری پر اور اسفندیار خان نے لداخ کے لوک گیتوں پر مقالہ لکھا۔ مرحوم خلیل الرحمٰن اعظمی ہمارے ممتحن تھے۔ ہمارے مقالات کے تعلق سے ان کی رائے اسقدر حوصلہ افزاء تھی کہ ہم چاروں نے پی ایچ ڈی کرنے کا فیصلہ کرلیا لیکن ایم اے کا امتحان دینے کے فوراً بعد اسفندیار خان بغیر کچھ بتائے کہیں غائب ہوگئے۔

کئی سال بعد معلوم ہوا کہ اسفندیار خان صاحب کے اے ایس کر کے ریاستی انتظامیہ میں شامل ہوگئے ہیں۔ میں حسد (یا رشک) کے جذبہ سے جل بُھن گیا کہ میں اِدھر افسانوں میں علامتوں کی تلاش میں منزل ناشناس کی طرح بھٹک رہا ہوں اور اُدھر میرے یار اسفندیار نے اپنا گوہر مراد پالیا۔ شاید خوشی بھی ہوئی تھی کہ چلو کوئی تو میرے راستے سے ہٹ گیا۔ اچھا ہوا کہ اس کی شاعری پر سر منڈھاتے ہی اولے پڑ گئے۔ اب میرے لئے میدان قدرے صاف ہے۔

خان صاحب ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ایک بار یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی تو کیفیٹریا میں چائے پیتے ہوئے میں نے پوچھا کہ انتظامیہ کے خرافات میں کھو کر اس شاعر کا کیا ہوا جس نے کبھی ''سینے میں

جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے" کے مصداق شعر سنائے تھے۔ انکساری کے ساتھ، کہ یہ ان کے مزاج میں ہے، دو ایک مختصر نظمیں سنا دیں۔ دیکھا کہ وہی لہجہ ہے، وہی ٹھہراؤ، فطرت کے ساتھ وہی دل بستگی اور وہی گھنا گھنا تفکر جو برسوں پہلے مانگے کا اُجالا لگا تھا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس شخص کے اندر کا شاعر زندہ اور توانا ہے اور شرافت، خلوص، منکسر المزاجی اور ہمدردی کے اس جذبے کو بڑے بڑے عہدوں کے زعم سے کھروچ تک نہیں لگی ہے۔ سُنا ہے کہ جب وہ کچھ سال قبل ممبئی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج تھے تو کپوارہ کے بعض مسجدوں میں ان کی صحت یابی کے لئے دُعائیں مانگی گئیں تھیں جہاں انہوں نے ڈسٹرک مجسٹریٹ کی حیثیت سے لوگوں کے دل جیت لئے تھے۔ احترام آدمی کے یہی وہ سلسلے ہیں جو ان کی شاعری میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

کاچو اسفندیار خان اب اپنا پہلا شعری مجموعہ "دام خیال" کے نام سے منظر عام پر لا رہے ہیں۔ میری دانست میں "دام خیال" صوبہ لداخ سے اردو کا اولین شعری مجموعہ ہوگا۔ اس کے لئے خان صاحب بطور خاص مبارک باد کے حقدار ہیں۔ اس سے قبل ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ "Ancient Wisdom" لداخ کی ضرب الامثال اور کہاوتوں کا انگریزی میں معہ وضاحت ترجمہ ہے جبکہ "داستان کربلا" بلتی شاعروں کے مراثی و نوحہ جات کو اردو رسم خط میں محفوظ کرنے کی بڑی مستحسن کوشس ہے۔

لداخ کے ثقافتی ورثہ کو محفوظ کرنے کی تحریک یقیناً انہیں اپنے والد کاچو سکندر خاں سکندر سے ملی ہوگی جنہوں نے لداخ کی تاریخ اور ثقافت کے حوالے سے لائق ستائش کام کیا ہے۔ اسفندیار خان کی ان کتابوں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن میری دانست میں ان کا بنیادی میدان تخلیقِ شعر کا ہے۔ خان صاحب پورگی بلتی میں بھی شعر کہتے ہیں اور فریدونؔ تخلص کرتے ہیں۔

کاچو اسفندیار خان غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ ان کا تخلیقی جوہر نظم کے قالب کو زیادہ موزوں پاتا ہے اگرچہ غزلوں کے بھی متعدد اشعار ایسے ہیں جو روایت کے روشن پہلوؤں سے ان کی شناسائی کے ساتھ ساتھ انفرادی لہجے کی تلاش کا پتہ دیتے ہیں۔

جان ہونٹوں پہ روک رکھی تھی	دیر کردی ہے تم نے آنے میں
ردائے عزتِ نفس وقبائے ہوش وحواس	قدم قدم پہ بچانے کی آزمائش تھی
ایسے میں کہاں جائیں؟ کہاں جائے اماں ہے	ساحل کا یہ پتھر بھی سمندر سے ملا ہے

خان صاحب کی بعض نظمیں ان مشاہدات کی دین ہیں جو مختلف جگہوں پر ان کی تقرری کے طفیل انہیں حاصل ہوئے ہیں۔ لیکن ایسی نظموں میں بھی ٹھوس زمینی لینڈ سکیپ متحرک پیکروں کی مدد سے داخلی منظر میں بدل جاتا ہے اور معنوی سطح پر امکانات کے در وا کر دیتا ہے۔ درون ذات سے ذات کے باہر تک کے تجربے ان کے یہاں راست حوالوں کے ساتھ اظہار نہیں پاتے بلکہ اپنی قلبِ ماہیئت کر کے تحیّر، استعجاب، جمالیاتی کیف اور معنوی

وسعت کو راہ دیتے ہیں۔ درد ایک زیریں لہر کی مانند ان کی شاعری میں بہتا ہے لیکن خان صاحب درد کی تقلیب کرنا جانتے ہیں۔ یوں بھی امید کا پہلو اُن کے یہاں اتنا قوی ہے کہ تپتی زمینوں پر ابر رحمت کی طرح برستا رہتا ہے۔

مجھے لداخ کے پہلے اردو شعری مجموعے کے شاعر کا استقبال کرتے ہوئے انتہائی مسرت ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ وہ اپنے تخلیقی سفر کو جاری رکھیں گے۔

مجید مضمر

صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی

عروج وزوال

دشتِ ہستی کی اِس جُھلسی ہوئی ویرانی سے
لے اُڑی مجھ کو خلاؤں میں نسیم
لا کے یوں پھینک دیا مجھ کو ببولوں پر
میرے ہر انگ سے خونِ جگر بہنے لگا

☆

امابی (سکائی لارک)

محفلِ دہر سے کیوں مائلِ پرواز ہے تُو
زائرِ عرشِ بریں زمزمہ پرداز ہے تُو
دل ترا رنج و غمِ دہر سے بھر جاتا ہے
چھوڑ کر بزمِ جہاں پھر تو کدھر جاتا ہے
تجھ کو بھاتی نہیں کیا میری اس دنیا کی فضا؟
مرغزاروں پہ ہے اٹکی ہوئی کیوں تیری نگاہ
تیری منقار سے برستا ہے نغموں کا ابر
تھرتھراتا ہے لچکتا ہے جب بھی تیرا پر
بالائے عرش سے جب تیری صدا آتی ہے
سن کے بلبل کو بھی گلشن میں حیا آتی ہے
اہلِ دنیا ترے نغموں سے ہیں خنداں خنداں
دامنِ کوہ میں ہے نرگس وسوسن خنداں

☆

وجُود کے ٹکڑے

بکھر جاتا ہے جب بدلی کا اک ٹکڑا
رُخِ تابان چندا پر
کہ جیسے تیرے چہرے پر
کسی آنچل کا سایا ہو
تو میں ماضی کی یادوں میں
خود اپنے دل کو کھوتا ہوں
اُبھر جاتا ہے میرے ذہن
کے پردے پہ اک پیکر
کہ جیسے دور ڈل کے پار
اک ٹوٹی ہوئی کشتی
اُبھرتی ڈوبتی چلتی ہے
موجوں کے اشاروں پر

O

میں اپنے فکر کے گھوڑے کو
ہر سُو چھوڑ دیتا ہوں
مرا سارا وجود اُس دم
بکھر کے ٹوٹ جاتا ہے
ہوا کے دوش پر چڑھ کر
نکل جاتے ہیں وہ ٹکڑے
فقط تم ہی سے ملنے کو
فقط تم ہی سے ملنے کو

☆

شب و روز

جب کڑی دھوپ کی سختی میں لچک آتی ہے
کسمساتی ہوئی یہ شام کی دیوی جب بھی
اپنی زُلفوں کو گھنی چھاؤں کی مانند پھیلے
ساری دھرتی کو وہ دامن میں چھُپالیتی ہے
تب مری روح کی گرمی میں بہار آتی ہے
چھوڑ کر جسم و جہاں تیرو سناں کی مانند
دشتِ اُلفت کی خلاؤں میں چلی جاتی ہے
ٹمٹماتے ہوئے تاروں کا جلوس
زرد اُونٹوں کی طرح
پھیل جاتے ہیں بکھر جاتے ہیں کھو جاتے ہیں
اپنے پاؤں سے اُٹھائے ہوئے دُھول کی اوٹ
اور خورشید جہاں تاب کی لہروں سے یہاں
بحرِ ہستی میں تلاطم کا سماں ہوتا ہے
لوٹ کر پھر وہ اسی پیکرِ خاکی میں چلی آتی ہے

صدائے جرس

ترے لبوں کے حسین ترانے
ہوا کی زلفوں میں یوں اُلجھ کر
جرس کی آواز بن گئے ہیں
اسی صدائے جرس سے پریتم
نقوشِ ماضی مٹے مٹے سے
اُبھر کے میرے دل ونظر میں
ہزاروں نغمے جگا گئے ہیں

☆

تم

تمہیں سے سلسلہ ہائے نفس میں ربط ابھی
تمہیں سے دردِ محبت میں ضبط ابھی
مرے وجود کے پیہم سُلگتے صحرا پر
ترے نصیب کے تاروں کی سُرمگیں آنکھیں
نثار کرتی ہیں راتوں کو گوہرِ شبنم

☆

کیوں

وادی نور کی جلتی ہوئی راہوں پر
صبح سے شام تلک بے نیل و مرام
کون سے وعدۂ فردا کو نبھانے کیلئے
کس حقیقت کے مئے ناب کو پینے کیلئے
کون سے راز کے سینے میں اُترنے کیلئے
لوگ اُترے ہوئے چہروں کو لئے پھرتے ہیں

☆

حقیقت

گنبدِ نُور سے آگے تیرہ و تار سمندر سے پرے
نیلے تاروں سے پرے سُرخ شعلوں سے پرے
ہے اگر حُسن کوئی اُس حُسن کا جلوہ دیکھوں
ورنہ اب چھین لے مُجھ سے
مری عقل مرے ہوش و حواس
کیوں مجھے آتشِ نمرود میں زندہ جلاتے ہو
کس کی پاداش میں مجھ کو یہ سزا دیتے ہو
کیوں مجھے دے کے کھلونے یونہی بہلاتے ہو

☆

O

پھر مجھے جرأتِ احساس گناہ دے اے دل
بے گناہوں پہ بھی یونہی یہ عتاب آ ہی گیا

لے گئی مجھ کو صبا صحن چمن میں جس دم
زخم دل سے گُلِ لالہ کو حجاب آ ہی گیا

مدتوں جن کیلئے کوہ دمن میں گھوما
آج لگتا ہے وہی روزِ حساب آ ہی گیا

واہ یہ طرز تکلّم یہ تخاطب کا طریق
میری خاطر تری نظروں کا جواب آ ہی گیا

☆

O

عجیب شے ہے گُلوئے صراحی دار کا خم
کہ جیسے جھیل میں کنول جُھکا جُھکا سا ہے
مچل کے گیت سناؤ اے چشمۂ کوہسار
غزالِ دشتِ سخن کچھ بُجھا بُجھا سا ہے

☆

ش، ب

وہی مستی وہی شوخی وہی اندازِ خرام
بات کرتے ہوئے ہونٹوں پہ تبسّم کی پھہار
شوخ نظروں میں جوانی کا وہ ہلکا سا خمار
وہی زُلفیں، وہی پلکیں وہی حُسن و جمال
میں نے شاید کسی سپنے میں تجھے دیکھا ہے

☆

وقت

ہر موڑ پر کھڑے ہیں خنجر بکف یزید
سُوکھے لبوں پہ حرف حقیقت اُداس ہے
بدلے ہیں اُن کے طور کہ بدلا ہے میرا ذوق
اب کچھ دنوں سے میری محبت اُداس ہے

☆

درد

تم نہیں ہو تو بہاریں بھی خزاں لگتی ہیں
تم جو ہو پاس تو آنسو بھی خمار آلودہ
کون کہتا ہے کہ یہ درد ہے پیغام اجل
میں تو صدیوں سے اسی طرح جیا کرتا ہوں

☆

تنہائی

سکوتِ شب کی دباہٹ میں ہُو کا عالم ہے
سِسک سِسک کے ہوئیں دل کی دھڑکنیں خاموش
رُباب ٹُوٹ گیا ہے جھینگروں کی بستی کا
تھکن سے چُور ٹرٹراتے ہوئے مینڈک
کنارِ آبجو سبزے میں سوگئے ہوں گے
کہیں وُجود کی گھنٹی نہیں بجتی

☆

اُلجھن

غمِ حیات کا کس کو گلہ رہا اے دوست
ملی کہاں مجھے ہستی کہ اُس سے پیار کروں
کوئی چُبھن کوئی کانٹا کوئی حسین سا زخم
اِنہیں کو لے کے میں سرمایۂ بہار کروں
ہر ایک چہرے پہ چہرہ چڑھائے بیٹھا ہے
میں کس سے پیار کروں کس پہ اعتبار کروں

☆

یادیں

گلُو بُریدہ تمنا خزاں رسیدہ طلب
ہوئے ہیں مضمحل اب تو قوائے اہل جنوں
قدم قدم پہ لہو ہے چمن چمن میں فغاں
ترس رہی ہے وہ کس شے کو روحِ کون ومکاں
وہ جن کے دم سے قیامت سمٹ کے رہتی تھی
کلی کلی سے بہاریں چمٹ کے رہتی تھیں
نہ جانے کون سے آسیب پڑ گئے اُن پر
دیارِ شوق کی گلیوں میں وہ بہار نہیں

☆

وجود

ہزاروں ساز لئے وہ مطربانِ جمیل
مرے وجود کے اندر وہ یوں تھرکتی ہیں
ہزار دشنہ وخنجر ہزار لاف وگزاف
میں بن گیا ہوں سرِ کوفہ جیسے ابنِ عقیل
نہ کوئی رہبرو رہزن نہ مونس وغمخوار
فقط وجود کی آنکھوں کی شعلہ باری ہے

☆

عجب نہیں

عجب نہیں کہ خونِ لالہ و آدم
سبُو میں ڈال کے پینے کا وقت آجائے
ابھی تو عیش کے ڈنکے بجائے جاتے ہیں
جگر کو سی کے بھی جینے کا وقت آجائے
عجب نہیں کہ تیری چالِ کبکِ دری
ہوائے عمرِ گُریزاں سے ماند پڑ جائے
یہ آنکھیں جن میں ہیں پنہاں ہزار ہا فتنے
عجب نہیں کبھی ان کا بھی نوُر کھو جائے
عجب نہیں کہ خدا اِن کو بھی بدل ڈالے
تمہاری کم بصری ہماری تشنہ لبی

☆

لمحہ

سطحِ دریا پہ ایک نقطہ تھا
میں نے سمجھا کہ ایک مچھلی ہے
دوست بولے کہ آدمی ہے یہ
آنکھ مل مل کے ہم نے جب دیکھا
نقطہ معدوم آب جاری تھا

☆

اے حاصلِ حیات ترا لاکھ شکریہ
اب موت ہی سے ہم کو نوازے تو خُوب ہے

☆

دامن میں بجلیوں کے بگولے سمیٹ کر
ہم خرمنِ حیات میں اُترے تھے ایک دن

☆

میں سگ گزیدہ فضاؤں میں سانس لے لے کر
ترس رہا ہوں میں زندگی کے لئے
خیال و خواب کی منزل سے بھی پرے ہوں میں
مجھے وجود کی وادی سے یوں نہ للکارو

☆

ماں

ماں! تم ہی نے تو کہا تھا نا
شہر کی گندی گلیوں میں
سحر سے شام تک دامن پسارے
فقط چند زرد سکّے ڈھونڈ کر لاؤں
کوئی دیتا نہیں ہے ماں
پھر آج کیوں تُو مُجھی پہ خشمگیں ہے ماں
ماں..... مجھے بھوک لگ رہی ہے

☆

تم

مرے وجود کی بے برگ وبار شاخوں میں
ہزار نغمہ جو پُھوٹے تو تیرے ہی دم سے
ہزار اشک جو پی کر بھی مُسکراتا ہوں
میں اس مقام پہ پہنچا تو تیرے ہی دم سے

☆

شب و روز

سہم کے اپنی ہی ہستی کی تیرگی سے میں
تری نظر کی سیاہی سے روشنی لے کر
بُجھے دلوں کو جلانے کا کام کرتا ہوں

گِھسے پِٹے سے دوراہوں پہ سنگِ راہ بنے
ہر ایک رہروئے منزل کی ٹھوکریں کھا کر
میں سوزِ ہستیٔ انساں کو عام کرتا ہوں

سحر سے نُور بادِ سحر سے چال لئے
دلوں میں گرمیٔ خورشیدِ خواہشات لئے
نئی صبح نئے گُلشن کا اہتمام کرتا ہوں

رگِ حیات کو ہاتھوں میں تھام تھام لئے
لہو چکیدہ بدن کو گھسیٹتا ہوں میں
نگاہِ اہلِ جہاں کو سمیٹتا ہوں میں
فسانۂ زیست کا یونہی تمام کرتا ہوں

پیار

بدل گیا تری باتوں سے کائنات کا رنگ
اُتر گئیں تری نظریں دلِ حیات کے پار
یہ صحبتیں یہ نگاہیں یہ بے تکی باتیں
کبھی تو مجھ کو اُڑا لیگی کائنات کے پار

☆

اُٹھو مٹادو اُداسی کے نقش دستِ سیمیں سے
سحر قریب ہے یارو بجھادو ظلمتوں کے چراغ

☆

جنم دن کا تحفہ

سر پہ بارِ حیات لئے
شوخئ گفتارِ گردباد لئے
دل کے سومنات کے اندر
لاکھ لات و منات لئے
وقت کی کوکھ سے جنم لیکر
اِسی دھرتی نے ماں کا روپ لئے
اپنی چھاتی سے مجھ کو پالا ہے
میرے ہر انگ کو نکھارا ہے
میرے وجدان کو سنوارا ہے
کارواں چلتا رہا چلتا رہا
بچپنے سے جوان ہوا
اور اب یہ عالم ہے

یہ نحیف ونزار بدن
یہ لرزتی ہوئی باہیں
دُھواں دُھواں سا خیال
جُھکی جُھکی سی کمر
ہر ایک شے میں اُتر جانے
والی یہ گستاخ نظر
میری آنکھوں کے گرد کے حلقے
اور یہ سب
میرے ماضی کی مستند تاریخ
تُجھ کو تحفے میں پیش کرتا ہوں
کیوں کہ آج تیرا جنم دن ہے

☆

شاعری

دُکھوں کے مارے دلوں نے مل کر
جو تیر پھینکے
کمالِ فن کی تنی کماں سے
وہ مدتوں تک
فضائے گردوں میں رقص کر کے
دکھوں کے ماروں پہ بیٹھتے ہیں

☆

O

ہمی تو بزمِ جہاں میں بہت عزیز نہ تھے
یہ کس کی یاد میں ساکت ہیں سب در و دیوار

ہمارا دل تو وہ ہیرا ہے جس کا مول نہیں
لئے پھروں اِسے ہاتھوں میں کیوں سرِ بازار

نہ جانے کس طرح ساحل کو چُھو لیا ہم نے
شکستہ لنگرِ کشتی تو خستہ تھے پتوار

کبھی تو راہ میں بکھرے دلوں کو چُھو کر دیکھ
کبھی تو جُھوم کے برسو اے رحمتِ دیدار

اے زندگی تری گلیوں پہ ہم فدا لیکن
ہماری راہ میں حائل ہے شیشۂ پندار

تمام رات تو گزری چراغِ آرزو کے ساتھ
سحر قریب ہی تھی تو سو گیا بیمار

☆

کچھ بات کرو

فکرو نظر کی بات کرو
یا ہوش وخرد کی بات کرو
کیوں مہر لگی ہے ہونٹوں پر
کچھ تو کہو کچھ بات کرو

تم دے بھی سکو گے کیا ہم کو
اِس درد بھری محفل میں صنم
مرنا تو گوارا ہم کو نہیں
جینے کا سلیقہ کس کو ہے

☆

یادوں کے منکے

انجان خلاؤں کے نیچے
انوکھی اچھوتی دھرتی پر
سنگلاخ چٹانوں کے پہلو میں
برفانی ہوائیں پی پی کر
جذبات کے ہونٹوں کو سی کر
ہم لوگ بھی جیتے رہتے ہیں
ہم لوگ بھی جیتے رہتے ہیں

بن تیرے تیری یادوں کے
منکے زرد پھسیلے سے
ذہن کے مبہم ہاتھوں میں
یونہی پھسلتے رہتے ہیں
ہم لوگ بھی جیتے رہتے ہیں
ہم لوگ بھی جیتے رہتے ہیں

وعدہ

خورشیدِ جہاں تاب میں جب تک رہے تنویر
جب تک رہے راتوں میں ستاروں کی یہ زنجیر
جب تک ترے کوچہ میں بہاروں کا گُزر ہے
جب تک مرے سینے میں تڑپتا ہوا دل ہے
میں پیار کی خاطر تری صورت کو نہ بھولوں
میں عشق کو الفت کو محبت کو نہ بھولوں

☆

○

کس جنگ میں ہارے ہوئے لوگوں کا ہے یہ شہر
اِس شہر کا ہر شخص مجھے زخمی سا لگا ہے

ہمت ہے تو ڈھونڈو کہ شاید تجھے مل جائے
آکاش سے دھرتی پہ کوئی چاند گرا ہے

پتھر تو بہت چُن لئے آشفتہ سروں نے
اب جس پہ یہ ماریں گے وہی سر نہ ملا ہے

مت دینا مجھے دوش مری آشفتہ سری پہ
یہ شوق بھی اے دوست مجھے تم سے ملا ہے

ایسے میں کہاں جائیں کدھر جائے اماں ہے
ساحل کا یہ پتھر بھی سمندر سے ملا ہے

بہتر تو یہی ہے کہ کوئی بات نہ بولیں
اے محفلِ جانان تجھے ہم سے گلہ ہے

☆

O

زندہ دلاں کے شہر میں وحشت ابھی بھی ہے
اک کاشِفِ[۱] رِشی کی ضرورت ابھی بھی ہے

ممکن کہاں کہ برف سے تنہا بُجھائی جائے
زخموں کی آگ میں تو حرارت ابھی بھی ہے

آزردگانِ سیلِ حوادث اُداس کیوں
اُمیدِ گُنجِ صبحِ سلامت ابھی بھی ہے

ہم ہی تھے بدنصیب جو ترے ہم رکاب تھے
ورنہ ہمارے شوق کی شہرت ابھی بھی ہے

ظلمت کدوں میں نور کے مینار ہوں نہ ہوں
پر اس سیاہ رات کی ظلمت ابھی بھی ہے

وارفتگانِ عشق کا انجام کچھ بھی ہو
اُن کے سروں پہ بارِ امانت ابھی بھی ہے

---

۱ کشب رشی

میرے ہمدم

نہ جاؤ روٹھ کے ہمدم ذرا سی بات تو ہے
زمانہ گر نہیں ساتھی دلِ اُداس تو ہے
شکست وریخت کی دُنیا پہ کیا بھروسہ ہے
ابھی تمہاری مربّی تو کل یہ میری ہے
پلٹ کے آؤ کہ ہم مل کے بات کرلیں گے
بہت ہوا ہے اندھیرا، اُجالے کی بات کرلیں گے
یہ نفرتوں کا ہجُوم یہ آنسوؤں کا جُلوس
کہاں تلک مرے ہمدم ہمارا ساتھ دے دیں گے

☆

سویرے کا سورج

جب چناروں سے لہو برستا ہے
مزرعِ زیست کے خرابے میں
موت اُگتی ہے بے حسی اُگتی ہے
بے بسی کی پکار سُن سُن کر
زندگی بے پناہ دُکھتی ہے

فکرِ فردا نہ کر مرے ہمدم
راستے کا غبار چھٹنے دو
بے حِسی کی یہ رات ڈھلنے دو
صبح آئیگی اور ضرور آئیگی

پھر سویرے کا سنہرا سورج
تیرے ماتھے کو چم چمائیگا
زندگی پھر سے گنگنائیگی
پھر چناروں سے نور برسے گا

روحوں کی زمیں

یہ سیاہ رات یہ اماوس یہ اندھیری بستی
عالمِ خواب میں پھرتی ہوئی روحوں کی زمیں
ریگزاروں میں اُگی اوس کی فصلیں تو بہت
زندگی قطرہ بہ قطرہ سرِ دار چڑھی
اپنے اسلاف کے ناکردہ گناہوں کی سزا
یوں بھُگتنا ہے تو بھُگت لیں گے سہہ لیں گے
سایۂ زُلف نہیں سایۂ تلوار سہی
ہم کو جینا ہے تو جی لیں گے سرِ دار سہی

☆

یقیں

میں کالی کلوٹی سی راتوں کا پنچھی
ندھیروں میں بسنا مری زندگی ہے
اُجالا مری قسمتوں میں کہاں ہے
سیاہ آندھیاں بے بسی کی علامت
سیاہ آندھیاں جو حوادث کا دریا
سیاہ آندھیاں جو گھروں کو اُڑالیں
تناور درختوں کو جڑ سے اُکھاڑیں
مجھے ڈر یہی ہے یہ آکر نہ لُوٹیں
مرا گھر مرا در مرا آشیانہ

مگر اِک یقیں ہے مگر اِک بھرم ہے
سویرے کا سورج سنہرا سنہرا
کبھی نہ کبھی تو سرِ بام ہوگا
میرے بام و در پہ یہ درباں نہ ہونگے
سیاہ آندھیوں کے نشاں تک نہ ہونگے

☆

نیا اِنسان

میں بھلا کس کی اطاعت کا طلبگار رہوں
میرے فانوسِ تخیّل کے یہ تابندہ چراغ
تنگ گلیوں میں جرائیم کو ہوا دیتے ہیں
میری گفتار کی گرمی سے زمانے کا لہو
خون ہی خون اُگاتا ہے خیابانوں میں
رزق کے ایک ہی دانے کو اٹھانے کیلیئے
میں کبھی چیل سے کتّوں سے جھگڑ پڑتا ہوں
غیر تو غیر کہ اپنوں سے بھی لڑ پڑتا ہوں
قافلے ظُلم کے جتنے بھی چلے میرے تھے
میں ہی بازار میں بِکتے ہوئے جسموں کا خریدار بنا
کوئی آنگن جو جلا کوئی گردن جو کٹی
یہ کرشمہ بھی میرے حکم کی تعمیل میں تھا

میں نے عفریتِ عقائد کو ہوا دے دے کر
کتنے گھر لُوٹ لئے کیا تجھے معلوم بھی ہے
چُوڑیاں ٹوٹی ہوئیں ہونٹ کُملائے ہوئے
دستِ قاتل کے ستائے ہوئے جسموں کی زمیں
توند نکلے ہوئے بچوں کا یہ جمِ غفیر
میرے ہر ساز پہ ناچے ہیں تھرک اٹھے ہیں
میں بھلا کس کی اطاعت کا طلبگار رہوں

☆

برگِ چنار

ٹوٹی پھوٹی محرابوں میں
ویراں آنکھیں سوکھے لب
لہو چکیدہ جسموں کی
بے صوت اُداسی کا منظر
تم بھی دیکھو تم بھی دیکھو
جذبات کی سُوکھی لکڑی سے
کب تک پتھر پگھلاؤ گے
سُوکھے پتوں کی آری سے
کب تک جنگل کاٹو گے
چھیل چھبیلے جسم کٹیلے
کب تک کٹتے دیکھو گے
جنگل دریا کھیت خیاباں
کب تک جلتے دیکھو گے

کال کلوٹی تقدیروں کے
بے ہنگم کھیلوں کا منظر
تم بھی دیکھو تم بھی دیکھو

اس نگری میں فصلِ بہاراں
اوس کی فصلیں لاتی ہیں
موسمِ گل میں شاخِ صنوبر
زیست کا نوحہ لکھتی ہے
کھوٹے سکّوں کے بدلے میں
فہم و فراست بکتی ہے
فکر و نظر کی زنجیروں میں
اُلجھے انسانوں کا منظر
تم بھی دیکھو تم بھی دیکھو

پیلے پیلے رخساروں کے
زرد قبیلے ہولے ہولے
اشکوں کے انبار میں ڈوبے
شام ہوئی تو گھر کو لوٹے
ڈھلتا سورج چڑھتی شام
زیست کے ٹوٹے مِضرابوں کے
بے ہنگم سُر تال کا منظر
تم بھی دیکھو تم بھی دیکھو
شاخِ چناراں لہو بکف ہیں
بستی بستی ویراں ہے
لمحہ لمحہ صبح قیامت

زرہ زرہ حیراں ہے
صدیوں کے آشوب میں پلتے
جان بلب تاروں کا منظر
تم بھی دیکھو تم بھی دیکھو

☆

بیادِ مہجور کاشمیری

فخرِ کشمیر بُلبلِ رنگیں نوا شیریں سخن
تیرے نغموں کی صدا ہے انجمن در انجمن
کیوں نہ تجھ پہ ناز ہو اس خطہ کشمیر کو
اے ربابِ بزمِ یاراں تاجدارِ فکروفن
تیرے گیتوں سے ہویدا انقلابِ دوجہاں
داستانِ گُل فروشاں قصہ دار و رسن
سُن کے تیرا نغمۂ غمِ گُل ہے آتش زیرپا
گاہ اپنا چاک دامن گاہ اپنا پیراہن
لالہ زارِ وادی کشمیر کے پالے ہوئے
آبروئے رودِ جہلم لالہ دشتِ سخن
شاعرِ فطرت ترے طرزِ تکلّم کا کمال
ورطہ حیرت میں ڈوبا اب بھی ہے ہر مردوزن

☆

O

پیار کرنا ہے تو کر لو عرش کی پہنائی تک
یہ مراسم نہ رکھو صرف شناسائی تک

تیرے بازار کی رونق سے طبیعت نہ بھری
مجھ کو لے چل تو میرے گوشۂ تنہائی تک

ہم تو دستور کی خاطر ہی گرے سجدے میں
کون پہنچا ہے تیرے عشق کی گہرائی تک

عہدو پیماں کو نبھانا کوئی تُجھ سے سیکھے
ہم سفر میرا بنا تُو میری رسوائی تک

شعلہ ِ جذ بہِ نفرت سے جلے کتنے گھر
بھر گیا اب تو دھواں گُنبدِ مینائی تک

☆

O

پکڑ کے ہاتھ ذرا تھوڑی دور ساتھ چلو
بدن کو چھو کے تو میرے ہوا بھی چلتی ہے

یہ آنسوؤں کا دُھواں یوں نہیں نکلتا ہے
درونِ خانہ کوئی آگ اب بھی جلتی ہے

میں تیری کاکُلِ پُرپیچ و خم کو کیا جانوں
میری نظر تو تیرے نقشِ پا کے ساتھ چلتی ہے

نہ پوچھ زیست کی حالت بہت رقیق ہے یہ
کبھی یہ اُڑتی ہے گرتی ہے پھر سنبھلتی ہے

☆

جنگ کرگل کی ایک

شام (۱۹۹۹)

مغموم بستیوں پہ شام کے گیسُو دراز تھے
چھن چھن کے آرہی تھی ستاروں کی روشنی
اور دور کالے دیو کی چنگاڑ سے وہاں
ہر حلقۂِ حیات بگولہ بدوش تھا
بچے بِلک رہے تھے تو مائیں تھیں بے قرار
اُس عالمِ حذر میں کسی کو نہ ہوش تھا
طوفانِ آب و آتش و گردو غبار میں
میدانِ کربلا کاسماں پاس پاس تھا
لمحے تمام ہوگئے اور خاک اُڑ گئی
ہر ذی حیات لقمۂِ آزار بن گیا

ابکی بار

جانے نہ دیں گے موسمِ گُل کو بِن پھولوں کے اب کی بار
دل کے بدلے دل ہی لینگے دل والوں سے اب کی بار

صحرا صحرا پھول کھلے ہیں جنگل جنگل مہکے ہیں
دل کا دامن ہاتھ سے جائے دیوانوں کا اب کی بار

تیری نظر کا جادو ہے یا میری قسمت جاگی ہے
سُنتے ہیں کہ وہ گذرے گی اِن گلیوں سے اب کی بار

صحنِ چمن میں بولے پپیہا، پیہو پیہو آجانا
رُت یہ سُہانی بیت نہ جائے مستانوں کی اب کی بار

بھیگا بھیگا رات کا چہرہ بھیگی بھیگی یادیں ہیں
ویرانی سی کیوں ٹپکے ہے دیواروں سے اب کی بار

☆

خوابوں کی بات

پتھروں کے شہر میں
بستے ہیں پتھر جیسے لوگ
ایسےّ شہروں میں فقط
جینے کی آشا کے سوا
اے میرے لختِ جگر
مت کر کبھی خوابوں کی بات

☆

میرے صنم

میرے صنم تیری قسم
دشتِ وفا دشتِ بلا
اِس دشت میں
میرے لئے رستہ بتا منزل دِکھا!
روزِ ازل سے آج تک
تیرے لئے جیتا رہا
تیرے لئے گاتا رہا
ہے زندگی رقصِ شرر
تیرے بنا ہے بے اثر
جب تو نہیں تو کچھ نہیں
تیرے بنا کچھ بھی نہیں
باغوں میں تو پھولوں میں تو

راتوں میں تو خوابوں میں تو
ہر سمت میں بس تو ہی تو
رودادِ غم تو سُن نہ سُن
دادِ سُخن تو دے نہ دے
پھر بھی تیرے رستے میں ہم
جانیں فدا کرتے رہیں
میرے صنم تیری قسم
میرے صنم تیری قسم

☆

O

کسی کے شوقِ تجسّس کی یہ نمائش تھی
مرا وجود میں آنا بھی ایک سازش تھی

میرے وجود کے پیہم سُلگتے صحرا میں
لہو کی بوُند بھی ٹپکی تو وہ بھی بارش تھی

خزاں رسیدہ خیالوں میں برگ وبار آئے
تری نظر کی سیاہی میں یہ نوازش تھی

ردائے عزّتِ نفس و قبائے ہوش و حواس
قدم قدم پہ بچانے کی آزمائش تھی

طلوعِ صُبحِ ازل سے وہ میرا ساتھی تھا
مجھے ، مجھی سے ملانے کی ایک خواہش تھی

گلوُئے دیدہ دراں اور خنجرِ بیداد
ستا ستا کے سُلانے کی اک سفارش تھی

☆

O

تشنگی اور بڑھی یہ آبِ رواں کیسا ہے
دلِ صد پارہ میں یہ بارِ گراں کیسا ہے
کس نے صحرا میں بچھادی ہے یہ کانٹوں کی بساط
چہرۂ دشت پہ یہ نقش و نشاں کیسا ہے
نوُر و ظلمت میں تصادم کی گھڑی آئی ہے
ایسے حالات میں یہ خوابِ گراں کیسا ہے
بے سبب ہم ہی پھرے دشتِ جنوں میں برسوں
ہم کو معلوم نہ تھا عشقِ بُتاں کیسا ہے
گُل بدن گُل سخنی ہاتھ میں تلوار نہیں
پیکرِ بوُالعجبی یہ قاتلِ جاں کیسا ہے

O

ہونٹ ہلتے ہی وہ چارہ گر آگیا
اب دعاؤں میں اتنا اثر آگیا
پھر خیالوں میں یادیں تری آگئیں
پھر جگر میں وہ دردِ جگر آگیا
کتنے معصوم چہرے لُٹ جائیں گے
پھر سے بستی میں وہ فتنہ گر آگیا

☆

O

پھول کھلتے رہے مُسکراتے رہے
دشت میں ہم کو یونہی لُبھاتے رہے
تیری زلفوں کی خوشبو ہوا لے گئی
تیری یادوں سے رشتے نبھاتے رہے
کتنے تاریک تارے تری بزم میں
روشنی کے لئے تلملا تے رہے
کس نے دیکھا نہ دیکھا ہمیں کیا خبر
ہم تو راہوں میں پلکیں بچھاتے رہے
جان جائے نہ جائے تری راہ میں
دل جگر تیرے در پہ لُٹاتے رہے

☆

کربلا

ابھی بھی کرب وبلا کا سماں گلی گلی میں ہے
ابھی بھی صورتِ اصغر کلی کلی میں ہے
کہیں سے تیرِ جفا چل رہا ہے بستی میں
کہ خاک وخون کی بارش گلی گلی میں ہے
کہاں ہیں اوجِ ثریا میں رفعتیں ایسی
عروج جو میرے مولا کی بندگی میں ہے
میں خوش نصیب ہوں مجھ کو علی کا پیار ملا
غمِ حسین کی دولت بھی زندگی میں ہے

O

دل مکاں ہے تو مکیں اس میں کہاں سے لاؤں
وسعتِ کون و مکاں کس سے کہاں سے لاؤں

دل تو دل ہے نہ کرو اس کی جراحت یارو
سب کو بھائے وہ نظر اس میں کہاں سے لاؤں

تجھ سے ملنا بھی بچھڑنا بھی قیامت انگیز
دامنِ دل میں سکوں اب میں کہاں سے لاؤں

میں نے دیکھا ہے ازل سے تیرا اندازِ کرم
اپنے دامن میں وہ وسعت میں کہاں سے لاؤں

O

حشر پہلے سے میرے دل میں تو برپا کردے
اے میرے دیدۂ حیراں یہ تماشا کردے

زندگی بھر تیری آغوشِ تمنا میں رہے
وصل کی رات میں کچھ ایسا کرشما کردے

چاند تارے بھی تجھے دیکھ کے شرما جائیں
رُخِ گلنارِ تبسم کو دوبالا کردے

تیرا انداز بیاں اور تیری موجِ خرام
فکر سے دل سے جگر سے ہمیں تنہا کردے

گر میری زیست کی دنیا کو مٹانا ہے کبھی
گیسوئے مُشک فشاں کو تہہ و بالا کردے

O

مری نظر سے نہ دیکھو کہ تو بھی جل جائے
خیال و خواب کی دنیا تری مچل جائے
کبھی تو دیدۂ حیراں کو اِک جھلک دیدے
کبھی تو خواب میں آجا کہ من بہل جائے
حیات تیرے تکّلم سے جاوداں ہوجائے
نظر سے تیری یہ تقدیر بھی بدل جائے
جہانِ عشق و محبت کی رسم بھی نرالی ہے
خوشی کو پانے سے پہلے ہی دم نکل جائے
یہ آسماں یہ زمیں یہ دیارِ بُو قلموں
جنوں پسند طبیعت بھی اب سنبھل جائے

☆

O

گلشن میں کھلتے پھولوں سے
کہہ دو ہنسنا ٹھیک نہیں
اب کے بہاریں لہُو بکف ہیں
اتنا کھلنا ٹھیک نہیں
صحرا صحرا گھومے ہیں ہم
تیری نگاہوں کی خاطر
ہم سے ملے تو نظر چُرا کر
ایسے جانا ٹھیک نہیں
کتنا بھولا روپ ہے تیرا
دل تو آخر دل ہی ہے
من مندر کے اندر ایسے
ملنا جُلنا ٹھیک نہیں

جن گلیوں میں نام ہی تیرا
جینے کا پروانہ ہو
اُن گلیوں میں بیگانوں کا
آنا جانا ٹھیک نہیں

☆

O

درد دل جب بھی سر اُٹھاتا ہے

آسماں گر کے سر پہ آتا ہے

جس پہ تیری نظر کی بارش ہو

ہر کسی کی نظر میں رہتا ہے

آسمانوں میں ڈھونڈتے ہو جو

وہ تمہارے جگر میں رہتا ہے

☆

O

زندگی کے نگار خانے میں
ہم بھی رسوا ہوے زمانے میں
وصل کی بات اُن سے کیا کرتے
زندگی لگ گئی لُبھانے میں
جان ہونٹوں پہ روک رکھی تھی
دیر کردی ہے تم نے آنے میں
دل میں جو بات ہے بتا دینا
ورنہ کیا تک ہے آنے جانے میں
جم کے برسو اے رحمتِ دیدار
کیا کمی ہے تیرے خزانے میں

☆

O

بن ترے جی کر دکھانے کو دکھایا میں نے
جا میرے دل سے جگر سے تجھ کو پایا میں نے

اے نسیمِ صبح جا کر اُن سے کہہ دو اب کی بار
پھر بہاروں کی خوشی میں گھر بسایا میں نے

کتنا مُشکل تھا جہانِ رنگ و بُو کا یہ سفر
کتنے آنسو کتنا غم دل میں چھپایا میں نے

پھر تری یادوں کے مُبہم قافلوں کے واسطے
راستے میں چشمِ پُرنم کو بچھایا میں نے

پھر بھی جینے کا سلیقہ کج کلاہوں کی طرح
ورنہ سر پہ بارِ غم کتنا اُٹھایا میں نے

☆

ابرِ باراں

چلچلاتی دھوپ میں تپتی زمینوں کی صدا
ابرِ باراں کے لئے اُٹھتی نگاہوں کی دُعا
رنگ اب لانے لگی رنگ اب لانے لگی
کالے کالے بادلوں کی زُلفِ گیرہ گیر سے
بارشِ رحمت کی دھارا خود بخود بہنے لگی
دُھند کے ملبوس میں لپٹی ہوئی
بستیوں کی بستیاں اب تر بہ تر ہونے لگیں
کوہساروں مرغزاروں لالہ زاروں میں ابھی
لہلہاتی کھیتیوں میں پھر بہاروں کی پری
مُسکراتی کسمساتی گُنگُناتی آ گئی

☆

O

راستے کا غُبار ہوں یارو
اسلئے آسماں میں رہتا ہوں
سُرمہ اہلِ دل جگر بن کر
دیدۂ گُل رُخاں میں رہتا ہوں
حُسن والوں سے دوستی کر کے
دل جلوں کے جہاں میں رہتا ہوں
دل بھی تیرا خیال بھی تیرا
میں تو خالی مکاں میں رہتا ہوں
کب ملے کب بچھڑ کے جانا ہے
روز و شب اس گُماں میں رہتا ہوں

☆

ہوائے شہر

ہوائے تُند وتیز سے
نگاہِ رُستہ خیز سے
نفس نفس اُداس ہے
ہر ایک بد حواس ہے
اجل بھی پاس پاس ہے

یہ دشت بیکرانِ غم
سراب ہے کہ خواب ہے
گھڑی گھڑی عذاب ہے
ہجومِ اضطراب ہے
ہر ایک لا جواب ہے

☆

دل گھبراتا ہے

پھول کھِلیں جب گُلشن میں
فصلِ بہاراں آتی ہے
رنگ برنگے پنکھ پکھیرو
گیت سُہانے گاتے ہیں
امرلتا کی بیلوں میں جب
کوئل کُو کُو کرتی ہے
دور اُفق پہ دُھند کا ہالا
پربت کو سہلا تا ہے
ایسے میں دل گھبراتا ہے
ایسے میں دل گھبراتا ہے
گھور اندھیری راتوں میں جب
تارے جھل مِل کرتے ہیں

شاخِ صنوبر کی چھاؤں میں
جگنو دیپ جلاتے ہیں
اور گگن پہ چاند کا چہرہ
جب جب بھی مُسکاتا ہے
ایسے میں دل گھبراتا ہے
ایسے میں دل گھبراتا ہے

تم بِن ساون پھیکا پھیکا
تم بِن جیون سُونا ہے
پھول کھلے یا بولے پپیہا
پر اس سے کیا لینا ہے
جیون کیا ہے آتی جاتی
سانسوں کا اک میلہ

خون جگر کا دھیرے دھیرے
آنکھوں سے جب رِستا ہے
ایسے میں دل گھبراتا ہے
ایسے میں دل گھبراتا ہے

☆

ایک چہرہ

یادوں کے جھمیلے میں اک چہرہ
جیسے ہو وہ چاند کا اک ٹکڑا
رہ رہ کے ستانے آتا ہے
اشکوں کے خزانے لاتا ہے
روتے تو نہیں ہم، یاروں کو
بس خوب رُلایا کرتے ہیں
سورج بھی چلے، جب شام ڈھلے
تاروں نے بھی گھونگٹ سرکائے
خاموش فضا میں چپکے سے
جب رات کی دیوی لہرائے
جینے کی تمنا دل میں لئے
خوابوں کو سجایا کرتے ہیں

☆

کاچو اسفندیار خان (آئی۔ اے۔ ایس) کا

شمار خطۂ لداخ کے معدودِ چند ادیبوں اور اعلیٰ آفیسروں میں ہوتا ہے۔ آپ 1952ء میں یقما کھر بوہ چکتن میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر کشمیر کمبائینڈ سروس جوائن کیا۔ خطۂ لداخ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز جموں و کشمیر کے ضلع سرینگر، ضلع راجوری، ضلع کرگل اور [illegible] کمشنر رہے۔ اس کے علاوہ آپ ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈس کشمیر کے عہدے پر بھی فائز رہے ہے۔ آج کل ڈائریکٹر انڈسٹریز اینڈ کامرس کشمیر کے عہدے پر [illegible] فائز ہیں۔
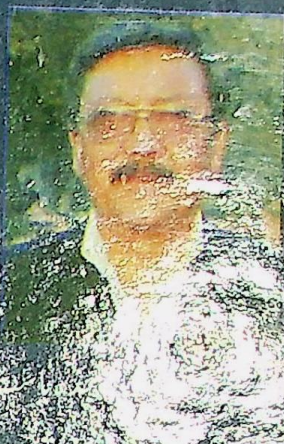
اسفندیار خان صاحب اردو اور پوریگی بلتی دونوں میں شعر و شاعری کرتے ہیں اور اپنے بلتی کلام میں فریدون تخلص رکھتے ہیں۔ اُن کی کئی بلتی غزلیں لداخ کے مشہور گلوکار پدمہ شری موروپ نمگیل اور محمد شفی ریلی نے گائی ہیں اور اکثر آل انڈیا ریڈیو لیہ، کرگل اور کشمیر سری نگر سے سنائے جاتے ہیں۔ اُن کی پہلی کتاب (Ancient Wisdom) بھی خطۂ لداخ کے لوک ادب اور ثقافت کو زندہ رکھنے کی ایک کوشش تھی جس کی پزیرائی بھی ہوئی۔ اُن کی دوسری کتاب ''داستانِ کربلا'' بھی اسی مقصد کی خاطر تالیف و تدوین ہوئی تھی تا کہ بلتی ادب کے کلاسیکل شاعروں کے کلام محفوظ رہیں بلکہ اِن شاعروں کو اور اُن کے کلام کی اہمیت کو صحیح تاریخی پس منظر میں پیش کیا جائے۔ خطۂ لداخ کے ساتھ ساتھ بلتستان میں بھی اس کتاب کی کافی پزیرائی ہوئی۔ زیر نظر شعری مجموعہ (دامِ خیال) اُن کے اپنے احساسات کی ترجمانی کے علاوہ خطۂ لداخ سے اُردو میں غالباً پہلا شعری مجموعہ ہے۔

Designed by Zeeshan Photographers, Delhi, Tel. 91-11-6570 8480, 2328 3037